مفتی محمد حسنؒ کے مرتبہ ملفوظاتِ مولانا تھانویؒ "الکلام الحسن" کا ادبی و فکری جائزہ

حافظ زاہد علی ☆

اللہ جل شانہ نے انسانوں کی بلندی اور برتری کے لیے اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ پیدا فرمائے، انہی اخلاق حسنہ اور صفات عالیہ کی وجہ سے انسانیت اُجاگر ہوتی ہے اور جو مومن بندے ان سے متصف ہوتے ہیں ایسے افراد اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی مقبول ہوتے ہیں اور اس کے بندوں کے یہاں بھی انہیں مقبولیت عامہ نصیب ہوتی ہے۔ ان صفاتِ عالیہ میں صفت تواضع وانکساری بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اکابر علمائے دیوبند کو اللہ تعالیٰ نے علوم وافرہ سے بھی نوازا اور اعمال صالحہ اور اخلاق عالیہ سے بھی متصف فرمایا۔ ان حضرات نے تواضع اور انکساری کو ایسا اپنایا اور حرز جاں بنایا کہ قرنِ ماضی میں اس کی نظیر نہیں ملتی، نیز ان حضرات میں زہد واستغناء بھی بڑے کامل درجے کا تھا تحریر وتقریر، شریعت وطریقت کی خدمات سب کچھ اللہ کی رضا کے لیے تھیں مخلوق سے کسی چیز کے طالب نہ تھے، کسی شخص سے خواہ کتنا ہی بڑا ہو، مال دار صاحب اقتدار ہو، ذرا سا بھی لالچ نہیں رکھتے تھے۔ مال دار حضرات جو ان حضرات کے معتقد تھے وہ چاہتے تھے کہ کچھ پیش کریں، لیکن ان حضرات کا مزاج یہ تھا کہ قول وعمل سے یہ ظاہر فرمادیتے تھے کہ ہماری خوشی اس میں ہے کہ جس وجہ سے ہم سے تعلق ہے یعنی علم سیکھنا اور عملی زندگی کو اپنانا، ہم اس سے خوش ہوتے ہیں۔

ا۔ برعظیم پاک وہند میں ملفوظاتی ادب کا سرمایہ:۔

برعظیم پاک وہند کو ہمیشہ سے یہ امتیاز حاصل رہا ہے کہ یہاں کے سالکین اور ارباب ارادت نے اپنے شیوخ کے اقوال وفرامین اور تعلیمات کو محفوظ کیا اور آنے والی نسلوں تک انہیں پہنچایا، اس سلسلے میں ایسی بہت سی کتابیں مرتب

☆ لیکچرار شعبہ عربی گورنمنٹ کالج ٹاؤن شپ، لاہور

کی گئی ہیں جو مشائخ کے ملفوظات اور تعلیمات پر مشتمل ہیں، ان میں سے چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

انیس الارواح، ملفوظات شیخ عثمان ہرونی مرتبہ خواجہ معین الدین حسن اجمیری، دلیل العارفین، ملفوظات خواجہ معین الدین اجمیری مرتبہ شیخ قطب الدین بختیار کاکی، سرالصدور ملفوظات شیخ حمید الدین سوالی ناگوری، مرتبہ شیخ فرید بن عبدالعزیز سوالی، اسرار الاولیا، ملفوظات شیخ فرید الدین مسعود شکر گنج اجودھنی، مرتبہ شیخ بدرالدین اسحاق دہلوی، کنوز الفوائد، ملفوظات شیخ صدرالدین محمد بن زکریا ملتانی، خواجہ ضیاء الدین، فوائد الفواد، ملفوظات شیخ نظام الدین اولیاء دہلوی مرتبہ شیخ حسن بن علاء سجزی، افضل الفوائد، ملفوظات شیخ نظام الدین اولیاء مرتبہ امیر خسرو دہلوی، تحفہ الابرار وکرامۃ الاخیار، ملفوظات حضرت نظام الدین اولیا مرتبہ شیخ عزیز الدین دہلوی، مفلوظات شیخ نظام الدین اولیاء مرتبہ شمس الدین دھاری، مجموع الفوائد، ملفوظات شیخ نظام الدین اولیاء مرتبہ شیخ عبدالعزیز بن ابو بکر دہلوی۔(۱)

۲۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ اور ان کی خدمات تصوف:۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا شمار بھی برصغیر پاک وہند کے ان مایہ ناز صوفیائے کرام اور مشائخ تصوف میں ہوتا ہے جن کے بغیر اس خطۂ ارضی کی تاریخ تصوف مکمل نہیں ہوسکتی۔ آپ مشہور محدث، عارف باللہ فقیہ اور بزرگ تھے، آپ دین کے ہر شعبہ کے کاموں کے لیے موفق من اللہ تھے۔ ۲۵ برس کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں درس قرآن وحدیث دیا جس سے آپ کے تلامذہ ملک کے ہر خطے میں پھیل گئے ہندوستان کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا کہ سفر کر کے وعظ وتبلیغ نہ فرمائی ہو، تصنیف کے میدان میں قدم رکھا تو ہزار سے اوپر تصانیف ورثہ میں چھوڑیں، آخر میں خانقاہ امدایہ تھانہ بھون میں مقیم ہوئے تو ہند وبیرون ہند کے ہزار ہا انسانوں کو بیعت وارشاد کے سلسلہ سے واصل بالحق فرمایا، چنانچہ بڑی تعداد میں آپ کے خلفاء ہیں جنہوں نے مختلف خطوں میں اصلاح وتربیت کا کام مختلف رنگوں سے انجام دیا آپ کے خلفاء میں مولانا شفیعؒ مولانا سید مرتضیٰ حسنؒ، مولانا مفتی محمد حسنؒ، مولانا خیر محمدؒ جالندھری، مولانا محمد اسحاق بردوائی، مولانا شاہ وصی اللہؒ، مولانا عبدالرحمن کاملپوریؒ، مولانا رسول خان ہزارویؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا عبدالباری ندویؒ، مولانا عبدالغنی پھولپوریؒ اور مولانا اطہر علیؒ جیسے مشاہیر علماء شامل ہیں۔

مولانا تھانویؒ، مولانا محمد یعقوبؒ صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند سے زیادہ مستفید ہوئے جو حدیث وتفسیر میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ قدس سرہٗ کے شاگرد ہیں، مولانا محمد یعقوب: دارالعلوم دیوبند کی مسند صدارت تدریس پر سب سے پہلے فائز ہوئے اور ۱۸۸۶ء تک اسی عہدہ پر فائز رہے۔ آپ اپنی جامعیت علوم ظاہرہ وباطنہ میں مہارت

کے سبب شاہ عبدالعزیز ثانی تسلیم کیے جاتے تھے۔ نیز مولانا تھانویؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے براہِ راست بھی بعض تفسیری درسوں میں مستفید ہوئے۔آپ دارالعلوم میں اس سال بغرض حصول تعلیم تشریف لائے تھے جس سال مولانا نانوتویؒ کا وصال ہوا۔اس لیے مولانا نانوتویؒ سے مزید استفادہ نہیں فرما سکے،مگر مولانا نانوتویؒ کے تلامذہ مولانا شیخ الہندؒ مولانا محمود حسن، مولانا عبدالعلیؒ اور مولانا محمد یعقوبؒ سے استفادہ کیا۔

آپ ۱۹۲۵ء میں شیخ الہندؒ کی وفات کے بعد دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اعلیٰ منتخب ہوئے آپ نے اپنی باطنی توجہات کے ذریعے دارالعلوم دیوبند کو اپنے مقصد کے حصول کے لیے ہمہ تن متوجہ رکھا۔۱۹۳۵ء میں گوناگوں مشغولیات کی وجہ سے مولانا تھانویؒ نے سرپرستی سے استعفیٰ دے دیا اس کے بعد سے مفتی محمد حسنؒ کے بقول کسی شخصیت کا انتخاب بطور سرپرست عمل میں نہیں آیا۔دارالعلوم دیوبند کی خدمات کے علاوہ زندگی کی ساخت وپرداخت میں بھی مولانا تھانویؒ کا بہت بڑا حصہ ہے، ان کی عمر کا ایک بڑا حصہ حکیم الامتؒ کے ہاں آتے جاتے گذرا، مسائل دینیہ میں ان کی سینکڑوں تصانیف، ان کی محبت وبابرکت اور حکیمانہ انداز تربیت نے زندگی کے بہت بڑے سبق سکھائے۔

حکیم الامتؒ کو اللہ رب العزت نے مرجع خلائق بنایا تھا آج بھی ان کی تصانیف اور ان کے خلفائے کرام شریعت وطریقت کے میدان میں بہت بڑی بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں۔اس دور میں حلال وحرام اور جائز وناجائز کا اہتمام کم ہی دیکھنے کو ملتا ہے مولانا تھانویؒ کو اپنے والد مرحوم کے انتقال کے بعد جائیداد ملی، اس کے متعلق آپ نے سرکاری کاغذات اور دستاویزات سے ازسرِ نو تحقیقات فرمائی اور اپنے شہر اور دوسرے شہر کے رہنے والے جس شخص کے متعلق ذرا سا بھی معلوم ہوا کہ اس کا ذرا سا بھی حق اس جائیداد سے متعلق ہے پورے اہتمام کے ساتھ اس کا حق اسے پہنچا دیا۔

بہر حال حکیم الامتؒ کا لقب آپ کے لیے اسم بامسمّٰی تھا اور آپ کی تقریر، تحریر وتصنیف اور تبلیغ سے لاکھوں مسلمانوں کو علمی وعملی فیض پہنچا اور ہزاروں مسلمانوں کی باطنی اصلاح ہوئی۔(۲)

مولانا تھانویؒ کا فیض ان کے دنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد بھی جاری وساری رہا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک طرف تو آپ کی تالیفات کا سمندر تشنگان علم کو سیراب کررہا تھا تو دوسری طرف آپ کے ملفوظات، خطبات اور ارشادات نے لوگوں کے دلوں کو انوار وفیوض سے مستفید کردیا تھا اور مولانا تھانوی کے ملفوظات کو مختلف علماء ومتوسلین نے مختلف اعتبار سے جمع کیا ہے جن میں ''خطبات حکیم الامت'' اور انفاس عیسیٰ کے علاوہ مفتی حسن کا مرتب کردہ مجموعہ

''الکلام الحسن'' انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔مؤخر الذکر پر تبصرہ کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مفتی حسن کا مختصر تعارف کرادیا جائے۔

۳۔ مفتی محمد حسن اور ان کے حالات زندگی:۔

ان کے والد ماجد کا نام مولانا اللہ داد تھا۔وہ ضلع کیمبل پور کے ایک موضع ''مل پور'' میں ایک نیک اور علمی خاندان میں پیدا ہوئے۔کتب منطق انہوں نے مولوی محمد معصوم سے پڑھیں،مولانا موصوف اپنے زمانے کے علماء میں علوم عقلیہ میں خاص مہارت رکھتے تھے۔وہ جب مدرس ہوکر مدرسہ غزنویہ امرتسر آئے تو اپنے اس ہونہار طالب علم کوبھی اپنے ہمراہ امرتسر لے آئے۔

مفتی محمد حسنؒ نے حدیث کا دورہ دو مرتبہ کیا تھا۔ایک دفعہ مدرسہ غزنویہ میں دوسرا دارالعلوم دیوبند سے۔ دراصل مولانا اشرف علی تھانوی کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی شخص بیعت کے لیے ان کے پاس جاتا تو حسب ضرورت وموقع وہ شرائط رکھتے تھے۔چنانچہ جب مفتی صاحب حکیم الامت کی خدمت میں بغرض بیعت تشریف لے گئے تھے تو حضرت حکیم الامت نے یہ شرائط عائد کیں کہ وہ کسی قاری سے قرآن پاک کی مشق کریں۔اور دوسرے کسی حنفی مسلک عالم سے حدیث پڑھیں، چنانچہ انہوں نے یہ شرائط قبول کیں اور دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے جہاں انہوں نے مولانا انورشاہ کشمیریؒ سے کتب احادیث پڑھیں اور دورہ حدیث کیا۔

فراغت کے بعد آپ امرتسر ہی میں درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔جلد ہی انہیں کو قابلیت کی بنا پر مدرسہ نعمانیہ کا صدر مدرس بنادیا گیا کم وبیش چالیس سال انہوں نے تدریس کی خدمت انجام دی۔جب تک ان کا قیام امرتسر ہی میں رہا وہ روزانہ مسجد نور مین بعد نماز فجر درس قرآن دیا کرتے تھے۔ان کے درس میں بے حد تاثیر تھی اوراس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے ساتھ ان کے شیخ کی توجہات شامل حال تھیں۔

درس وتدریس کے علاوہ فتوی نویسی بھی ان کا ایک مستقل شغل تھا۔اس سلسلہ میں ملک کے ہر حصے سے ان کی خدمت میں استفتاء آتے جن کے محققانہ جوابات تحریر فرماتے،جب تک ان کی صحت نے اجازت دی اس وقت تک وہ یہ کام انجام دیتے رہے۔

امرتسر میں انہوں نے ایک مدرسہ قائم کیا جو تعلیم قرآن کے ساتھ ساتھ علوم دینیہ واسلامیہ کی تعلیمی خدمت بھی سرانجام دے رہا تھا۔اس مدرسہ نے تقریباً ۴۰ سال یہ خدمت سرانجام دی۔قیام پاکستان کے بعد اس مدرسہ کے خدام اور

اساتذہ کو بھی لاہور آنا پڑا۔لاہور میں نیلا گنبد کے علاقہ میں مول چند بلڈنگ کا ایک حصہ مدرسہ کے لیے الاٹ ہوگیا۔چنانچہ توکلاعلی اللہ اس مدرسہ کی نشاۃ ثانیہ جامعہ اشرفیہ کے نام سے ذوالقعدہ ۱۳۶۶ھ/۲۴ستمبر۱۹۴۷ء کو ہوئی جو ان اشعار کا مصداق ہے:

درسگاہ علم دین این جامعہ   اشرفیہ از معارف لامعہ
یادگار مولوی معنویؒ   مولوی اشرف علی تھانوی
اے خدا این جامعہ قائم بدار   فیض او جاری بود لیل ونہار

جب جامعہ کی عمارت طلبہٗ واساتذہ کے لیے ناکافی ہوئی تو فیروز پور روڈ لاہور پر مدرسہ کی جدید عمارت کے لیے ایک سو کنال اراضی خریدی گئی۔پھر جس طرح حق تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند کو یہ شرف عطا کیا تھا کہ اس کا سنگ بنیاد بہت سے بزرگوں نے مل کر رکھا تھا۔اسی طرح حق تعالیٰ نے حکیم الامت مولانا تھانوی کے نام اور مفتی صاحب کے خلوص کی برکت سے اس جامعہ کے سنگ بنیاد رکھتے وقت اہل اللہ کو جمع فرمادیا۔اس وقت جو حضرات موجود تھے ان میں قاری محمد طیب قاسمی، حافظ جلیل احمد، مولانا مسیح اللہ خان، مولانا خیر محمد، مولانا رسول خان، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا مفتی جمیل احمد اور مولانا داؤد غزنوی شامل تھے۔

ایک مرتبہ مفتی محمد شفیعؒ نے امرتسر میں مفتی صاحبؒ کے درس میں شرکت کی،اس درس میں شرکت کے بعد اپنے تاثرات کو مفتی صاحب نے یوں بیان فرمایا:

یہ اعجوبہ بہ فیض وفضل مولانا حسن دیکھا
کہ امرتسر ہم نے آج ایک تھانہ بھون دیکھا
دیا وہ درس قرآنی کہ آنکھیں کھول دیں جس نے
معارف ہائے قرآنی کا دریا موجزن دیکھا

انہیں خاتمہ بالخیر کی اس قدر فکر تھی کہ تقریباً ہر مجلس میں اس کی اہمیت اور فکر کو ضرور ظاہر کرتے تھے۔

بالآخر ۱۶ ذوالحجہ ۱۳۰۸ء کو کراچی میں علم وعمل کا یہ آفتاب غروب ہوگیا اور وہیں آپ کو سپرد خاک کردیا گیا۔(۳)

۴:۔ مفتی حسن کی اپنے شیخ سے ارادت:

مولانا اشرف علی تھانوی اور مفتی صاحبؒ کے تعلقات اور ربط قلبی کا اس واقعے سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ مولانا تھانوی کے ایک خادم نے آپ کی علالت کے متعلق مفتی صاحب کو اطلاع دی چنانچہ مفتی صاحب تھانہ بھون تشریف لائے اور تقریباً ایک ہفتہ قیام کیا۔اسی دوران مولانا تھانوی کی طبیعت ٹھیک ہوگئی اور مفتی صاحب واپس تشریف لے گئے،خانقاہ میں پنجاب کے ایک بزرگ سائیں طور شاہ نے مولانا تھانوی سے کہا حضرت خلیفہ جی چلے گئے،خانقاہ کی رونق کم ہوگئی ہے''اس پر مولانا تھانوی نے ارشاد فرمایا''ہاں سائیں جی میں بھی یہی محسوس کرتا ہوں''(۴)

جب کبھی مولانا تھانوی اپنی مجلس میں علماء کی موجودگی میں کوئی علمی مضمون بیان کرتے اور مفتی صاحب وہاں موجود نہ ہوتے تو فرمایا کرتے کہ''مولوی محمد حسن اگر یہ سنتے تو بہت خوش ہوتے مفتی صاحب اپنے شیخ کے بارے میں فرماتے تھے''حضرت کیسے تھے حضرت جو اصل تھے وہ کتابوں سے سمجھ نہیں آسکتے''۔کتابیں دیکھ کر انہیں کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ کیسے تھے اگر کوئی تجوید کی کتاب دیکھے تو یوں سمجھے گا کہ حضرت بہت بڑے قاری تھے اگر ان کے فقہی اور اجتہادی کارنامے دیکھے گا تو سمجھے گا کہ بہت بڑے فقیہ تھے۔اگر احادیث کے شغف کو دیکھے تو محدث سمجھے گا ان کے مناظرانہ ارشادات کو دیکھ کر فلسفی سمجھے گا،لیکن حضرت ان سب چیزوں سے بلند تھے اور جنہوں نے حضرت کو نہیں دیکھا وہ حضرت کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے۔(۵)

جب ڈاکٹروں نے مفتی صاحب کے پاؤں کو کاٹنے کا مشورہ دیا تو مفتی صاحب کے ایک عزیز نے مولانا تھانوی سے اس کا تذکرہ کیا۔اس بات کو سن کر مولانا تھانوی نے فرمایا''میں تو یہ بات تمہارے منہ سے سن کر بھی برداشت نہیں کرسکتا،سچ کہتا ہوں مولوی صاحب کے پاؤں قطع کرنے کا تصور آتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے میرا اپنا پاؤں قطع کیا جاتا ہے''.

پھر آپ نے مولانا شبیر علی تھانوی سے اس کا تذکرہ کیا کہ بھائی کوئی ایسی دوائی نہیں جس سے آرام آجائے،مولانا شبیر علی نے کہا''حضرت یہ بیماری مدراس میں ہوتی ہے سنا ہے وہاں کوئی ایسی بوٹی ہوتی ہے جو اس کے لیے مفید ہے''مولانا نے فرمایا''بھائی کوشش کر کے منگوالو''انہوں نے یہ بوٹی مدراس سے منگوائی اور گملے میں لگا کر اس کی دوائی بنا کر مفتی صاحب کو بھیج دی۔اس دوران مولانا تھانوی بار بار استفسار کرتے رہے کہ دوائی بن گئی ہے یا نہیں

اور اس معاملہ میں پوری دلچسپی لیتے رہے۔(۶)

ایک مرتبہ مفتی صاحب نے حضرت والا تھانویؒ کی خدمت میں مچھلی بھیجی اور مچھلی کو تین حصوں میں تقسیم کیا اور جس شخص کے ہاتھ روانہ کی اس کو ہدایت کردی کہ ایک حصہ چھوٹے گھر کا ہے دوسرا حصہ دوسرے گھر کا اور تیسرا حصہ اس گھر کا جہاں مولانا کی باری ہوگی۔ جب مولانا کو مچھلی ملی اور اس تقسیم کی بھی خبر ہوئی تو بہت خوش ہوئے اور کئی روز تک اس واقعے پر خوشی کا اظہار کرتے رہے اور پھر فرمایا ''اس سے زیادہ میری اور کون رعایت کرسکتا ہے''(۷)

مولانا تھانویؒ سے انہیں عقیدت عشق کی حد تک تھی۔وہ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا کی کتابوں کے سوا کسی اور کتاب کو دیکھنے کی جرأت بھی نہیں رکھتا۔(۸)

وہ فرمایا کرتے تھے کہ ''اس زمانہ میں پیدا ہونا بھی بڑی نعمت ہے کہ تھوڑے سے عمل پر بھی بڑا اجر ملتا ہے۔دوسری نعمت یہ ہے کہ حضرت والا سے جو بھی بالواسطہ یا بلا واسطہ متعلق ہوگیا اس کا خاتمہ ضرور ایمان پر ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ''(۹)

مفتی صاحب کے متعلقین میں سے ایک صاحب نے جو ان کے پرانے خادموں میں سے تھے حج کی درخواست دی اور دل میں امید لگا رکھی کہ اجازت مل جائے گی لیکن قرعہ اندازی میں ان کا نام نہ نکلا۔ یہ پریشان ہوئے ان کی پریشانی کی اطلاع مفتی صاحب کو ہوئی۔ چنانچہ مفتی صاحب نے ان کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا ''چودھری صاحب درخواست نامنظور ہوگئی'' انہوں نے بہت ہی آزردہ آواز میں کہا ''حضور نامنظور ہوگئی'' مفتی صاحب نے فرمایا پھر تو موج ہوگئی اور اس لفظ کو کئی مرتبہ دہرایا اس پر فرمایا ''حج کا ثواب تو تمہیں تمہارے ارادے پر مل گیا پھر گھبرانے کی کیا بات ہے۔ حج کا ثواب تو گھر بیٹھے مل گیا ہے'' اس سے صاحب معاملہ اور جملہ حاضرین کی پوری تسلی ہوگی۔(۱۰)

ان پر جب فالج کا اثر ہوا تو اس کے بعد کچھ آرام ہوا اور ہاتھ حرکت کرنے لگا، ایک روز مجلس میں آکر بیٹھے تو لوگ خوش ہوئے اور خود بھی ان پر صحت کا اثر دکھائی دیتا تھا۔اس پر فرمایا پہلے تو صرف یہ سمجھ میں آتا تھا کہ ہاتھ اللہ کی نعمت ہیں لیکن اب معلوم ہوا کہ ہاتھ بھی اللہ کی نعمت ہیں لیکن ان کی حرکت ایک مستقل نعمت ہے اسی طرح کھانے کو نعمت سمجھا جاتا ہے لیکن کھانے سے سیر ہوجانا بھی ایک مستقل نعمت ہے۔''اگر خدانخواستہ اس میں رکاوٹ ہونے لگے یا زیادہ ہونے لگے تب معلوم ہوگا کہ یہ بھی ایک نعمت ہے'' فرمایا کہ سونا بھی ایک نعمت ہے لیکن سو کر بیدار ہونا دوسری نعمت ہے'' آخر میں فرمایا۔ بھائی کہاں تک آدمی گنے''(۱۱)

حضرت تھانوی فرماتے تھے کہ مجھے دنیا سے جانے کا کوئی فکر وخیال نہیں جبکہ میرے بعد یہ دو موجود ہیں۔ پوچھا گیا یہ دو کون ہیں؟ فرمایا کہ ''ایک تو مفتی محمد حسن ہیں'' (۱۲) ۔

الکلام الحسن کی عظمت و اہمیت:

جیسا کہ ہر شخص کو علم ہے کہ الکلام الحسن ایک مختصر سا کتابچہ ہے۔ جس میں مفتی محمد حسنؒ نے اپنے پیر و مرشد مولانا تھانوی کے ملفوظات جمع کیے ہیں اس مجموعہ کے متعلق مفتی صاحب کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد عبید اللہ کہتے ہیں:

''درحقیقت بات یہ ہے کہ والد محترم (مفتی محمد حسنؒ) کی عادت یہ تھی کہ وہ اپنے شیخ کی مجلس میں انتہائی خاموشی کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے، نہ کبھی کوئی بات پوچھتے، نہ کوئی بات کرتے، اگر کوئی اہم مسئلہ پیش آتا تو خط و کتابت پر اکتفاء کرلیا کرتے تھے۔ نیز فرماتے کہ اکثر ایسا ہوتا کہ اگر میرے ذہن میں کوئی سوال پیدا ہوتا تو مولانا تھانوی میرے بولنے سے پہلے ہی اس کا جواب دے دیا کرتے تھے۔ والد کی اسی کیفیت کی وجہ سے مولانا تھانویؒ فرمایا کرتے تھے:

''میرے دو مرید ایسے ہیں کہ ایک بولتا ہی نہیں اور دوسرا خاموش ہی نہیں رہتا، لطف کی بات یہ ہے کہ دونوں کے نام میں ''حسن'' ہے، ایک مفتی محمد حسن اور دوسرا خواجہ عزیز الحسن''۔

لیکن جب آخرِ عمر میں یہ احساس ہوا کہ اب شیخ سے جدائی ہونے والی ہے تو پھر شیخ کی وہ باتیں لکھنا شروع کیں جو تمام عمر کا خلاصہ اور تعلیمات کا نچوڑ تھیں، گویا کہ الکلام الحسن مولانا تھانوی کے آخری ایام میں فرمائے ہوئے ملفوظات کا نچوڑ ہے'' (۱۳)

مولانا عبید اللہ صاحب نے یہ بھی فرمایا:

''والد نے یوں تو ساری زندگی خاموشی کے ساتھ گزار دی لیکن فرمایا کرتے تھے کہ میں آخری زمانہ میں مولانا تھانوی کی مجلس میں بولا، وہ یوں کہ ایک مرتبہ مولانا تھانوی نے ایک انتہائی اثر انگیز اور عالمانہ، واعظانہ اور محققانہ شان کے ساتھ درس دیا۔ اس درس میں حضرت کے تمام اجل خلفاء موجود تھے، جب درس ختم ہوا تو مجھ پر حال طاری تھا، اس حال میں میری زبان سے بے ساختہ یہ بات نکلی کہ اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک طرف جنت رکھے اور دوسری طرف میرے حضرت کو رکھے اور مجھے اختیار دیا جائے کہ ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلو، تو میں اپنے حضرت کا انتخاب کروں گا۔

میرا یہ جملہ سن کر کچھ دیر تو مولانا تھانوی خاموش رہے پھر تین مرتبہ یہ جملہ ارشاد فرمایا:

''آپ کو ایسا ہی کہنا چاہئے، آپ کو ایسا ہی سمجھنا چاہئے، آپ کو ایسا ہی کہنا چاہئے، آپ کو ایسا ہی سمجھنا چاہئے، آپ کو ایسا ہی کہنا چاہئے، آپ کو ایسا ہی سمجھنا چاہئے'' (۱۴)

مولانا تھانویؒ کو تصوف وسلوک کے میدان میں مجددیت کا جو مقام حاصل ہوا اس کی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اصطلاحات تصوف کی حقیقت کو بیدار کیا اور اہلِ سلوک کو اس سے متعارف کرایا۔ تصوف کے بہت سے ایسے مسائل جو تحقیق طلب اور توجہ کے مستحق تھے انہوں نے ان کا حل پیش فرمایا اور ان کی حقیقت کو آشکارا فرمایا۔ ''الکلام الحسن'' میں مولانا تھانوی نے استغناء اور کبر میں فرق کو اس طرح واضح فرمایا:

''استغناء اور کبر میں بڑا فرق ہے، کبر تو مذموم ہے اور استغناء محمود ہے، مگر غلو استغناء میں بھی اچھا نہیں۔ البتہ علو فی الاستغناء (یعنی اہلِ کبر کے مقابلے میں عالی دماغی) اچھا ہے اور خلو سب سے اچھا ہے یعنی کسی طرف بھی التفات نہ ہو'' (۱۵)

آپ نے صوفی کی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

''صوفی کی حقیقت عالم باعمل ہے'' (۱۶)

مولانا تھانوی تصوف کے پس منظر اور پیش منظر پر بھی گہری نگاہ رکھتے تھے اور اس میدان میں احتیاط کا دامن تھامنے کی نصیحت فرمایا کرتے تھے، اور اس احتیاط کا سبب ان الفاظ میں بیان فرمایا:

''تصوف جب بگڑتا ہے تو یا جنون ہوجاتا ہے یا زندقہ بن جاتا ہے کیونکہ لطیف شے جب بگڑتی ہے تو اتنی ہی زیادہ خراب اور فاسد ہوجاتی ہے'' (۱۷)

خلوت کی حقیقت کو ان الفاظ میں ظاہر فرمایا:

''خلوت بایں وجہ پسند کرے کہ لوگ میرے شر سے بچیں ۔ یہ قصد نہ ہو کہ میں لوگوں کے شر سے بچوں اور اپنے عیوب اور لوگوں کو ستانا یاد کرکے یہ نیت کرے'' (۱۸)

مولانا تھانویؒ ادعاء تقدس کو سخت ناپسند فرماتے تھے، اس کے بارے میں ایک مرتبہ فرمایا:

''بزرگوں کو عاصی پر اتنا غصہ نہیں آتا جتنا مدعی تقدس پر آتا ہے کیونکہ یہ کبر ہے اور کبر سب گناہوں کی جڑ ہے'' (۱۹)

کسی کام میں خلوص کی علامت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

''کسی کام میں خلوص کی علامت یہ ہے کہ اس سے اچھا کام کرنے والا اگر آئے تو یہ کام کرنا چھوڑ دے مثلاً مدرسہ وغیرہ''(۲۰)

آداب شیخ کے ان ملفوظات کا ایک اہم حصہ ہیں، اس بارے میں ایک مرتبہ فرمایا:

''مریض کو حق نہیں کہ نسخہ کو دلیل حکیم سے دریافت کرے۔ البتہ طالبِ علمِ طب کو حق ہے اسی طرح سالک کو حق نہیں کہ شیخ سے کسی معمول کی وجہ دریافت کرے۔ ایسے شخص کو کبھی فائدہ نہیں ہوگا''(۲۱)

مولانا تھانویؒ نے مولویت کی حقیقت کو اس طرح آشکارا فرمایا:

''مولوی احکام دان کو کہتے ہیں عربی دان کو نہیں کہتے، عربی دان ابوجہل بھی تھا، مگر لقب تھا ابوجہل نہ کہ عالم''(۲۲)

اختلافی مسائل میں آپ کسی قسم کی سختی یا تعصب سے کام نہ لیا کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ بہت سے ایسے لوگ جو آپ سے نظریاتی اختلاف رکھتے وہ بھی اپنی اصلاح کی خاطر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے، ایک مرتبہ فرمایا:

''بیعت کے وقت غیر مقلدین سے شرط کر لیتا ہوں کہ بدگمانی اور بدزبانی نہ کرنی ہوگی اور تقلید کو حرام نہ خیال کریں اور یہ کہ ہماری مجلس میں غیر مقلدین کا ذکر بھی ہوا کرے گا، مگر وہ غیر مقلدین مراد ہوں گے جو معاند ہیں، تمہیں یہ سمجھنا ہوگا''(۲۳)

مسئلہ تقلید کے بارے میں ایک مرتبہ فرمایا:

''ترکِ تقلید پر قیامت میں مواخذہ تو نہ ہوگا کیونکہ کسی قطعی کی مخالفت نہیں، مگر اس میں بے برکتی یقینی ہے''(۲۴)

ترکِ دنیا آپ کے مواعظ کا اہم موضوع ہے، لیکن آپ کے مطابق ترک دنیا سے مراد یہ نہیں کہ دنیاوی نعمتوں سے استفادہ نہ کیا جائے، بلکہ آپ ترکِ دنیا کا یہ مفہوم بیان فرماتے تھے کہ دنیا کو دل میں جگہ نہ دی جائے، ایک موقع پر ترکِ دنیا کی اہمیت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

''ترکِ دنیا ایسی اچھی اور پسندیدہ چیز ہے کہ طالبینِ دنیا کو بھی ان ہی لوگوں سے محبت ہوتی ہے جو تارک ہیں اور تاریک الدنیا کو طالبینِ دنیا سے محبت نہیں ہوتی تو معلوم ہوا کہ ترکِ دنیا طالبینِ دنیا کے نزدیک بھی اچھی ہے''(۲۵)

مولانا تھانویؒ ہمیشہ عربیت کی تعلیم کو انگریزی کی تعلیم پر مقدم سمجھتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا:

''انگریزی پڑھ کر اگر کامیابی نہ ہوئی تو عمر بھر حسرت اور عربی میں حسرت نہیں کیونکہ اس کے پڑھنے سے

غرض دین ہے''(۲۶)۔

''مسئلہ تکفیر'' جو ہمیشہ سے اہل علم کے درمیان ایک معرکۃ الآراء مسئلہ رہا ہے، اس بارے میں مولانا تھانویؒ انتہائی احتیاط کے قائل تھے اور سنی سنائی بات پر کبھی فتوی نہ دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے کسی کے بارے میں سوال کیا کہ جس شخص کا عقیدہ یہ ہو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا اس سے لکھوا کر لاؤ۔ پھر فرمایا:

''اہلِ علم کو متنبہ کرتا ہوں کہ فتوی میں یہ طریق اختیار کریں۔ کسی کے کہنے سے کسی دوسرے شخص پر فتوی نہ لگائیں۔ کسی پر اس طرح کفر کا فتوی نہ لگائیں۔ طبیبِ حاذق جب تک بیمار کو خود نہیں دیکھتا نسخہ نہیں لکھتا''(۲۷)

آپ کے بہت سے ارشادات میں شاگردوں اور بچوں کی تعلیم و تربیت کے اصول بھی ملتے ہیں، ایک موقع پر فرمایا ''بچوں کو بھی اسی وقت سمجھانا چاہیئے جب غلطی کریں، تسامح جائز نہیں ورنہ عادت پختہ ہو جائے گی''(۲۸)

مولانا تھانویؒ کے ملفوظات میں شرعی احکامات کی حقیقت کا عنصر بہت کثرت کے ساتھ ملتا ہے، معاشرے میں شرعی احکام کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں پر آپ کثرت کے ساتھ مطلع فرمایا کرتے تھے، اپنے ایک ملفوظ میں مشورہ کی حقیقت کو اس طرح واضح فرمایا:

''میری عادت مشورہ دینے کی نہیں ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ لوگ مشورہ کی حقیقت کو سمجھتے نہیں۔ مشورہ کی حقیقت تو یہ ہے کہ امرِ مباح میں دوشقوں کے مفاسد اور مصالح پر نظر کر کے کسی ایک جانب کو ترجیح دینا۔ مشیر اس کے بعد اپنے جی میں اگر کسی جانب کو راجح پائے تو عمل کرے۔ عمل تو اپنی رائے پر کرے گا، البتہ مشورہ سے اس کی رائے کو اعانت ہو جائے گی۔ اب عوام مشورہ کو حکم سمجھتے ہیں۔ حالانکہ مشورہ اور حکم میں بڑا فرق ہے''(۲۹)

ایک مقام پر سفارش کی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

''میری عادت سفارش کرنے کی بھی نہیں ہے، کیونکہ آج کل کے عرف میں بھی اس کی حقیقت بدل گئی ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص کی حاجت دوسرے شخص کے سامنے بدون دباؤ ڈالنے کے پیش کر دینا۔ تا کہ دوسرا شخص آزادی سے عمل کر سکے۔ اور سفارش کی وجہ سے مجبور نہ ہو جائے''(۳۰)

الغرض مولانا تھانویؒ کے ملفوظات کا یہ ایک ایسا مجموعہ ہے، جو علمی اور فکری اعتبار سے بڑی اہمیت کا رکھتا ہے اور تصوف کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے اس سے اور مولانا تھانویؒ کے دوسرے ملفوظات سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں ہے۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) الثقافة الإسلامية في الهند (ترجمہ) اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں، از مولانا سید عبدالحی ندوی، ترجمہ مولانا ابو العرفان ندوی، ص:۳۰۴۔

(۲) مولانا اشرف علی تھانوی کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے: اشرف السوانح

(۳) مفتی محمد حسن کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے: احسن السوانح از حکیم محمود احمد ظفر مطبوعہ جامعہ اشرفیہ لاہور، نیز ''بزم اشرف کے چراغ'' از پروفیسر احمد سعید، ص:۱۵۰۔۱۵۱۔

(۴) بزمِ اشرف کے چراغ، از پروفیسر احمد سعید، ص:۱۵۵۔

(۵) بزمِ اشرف کے چراغ، از پروفیسر احمد سعید، ص:۱۵۵۔

(۶) بزمِ اشرف کے چراغ، از پروفیسر احمد سعید، ص:۱۵۶۔

(۷) بزمِ اشرف کے چراغ، از پروفیسر احمد سعید، ص:۱۵۶۔

(۸) بزمِ اشرف کے چراغ، از پروفیسر احمد سعید، ص:۱۵۶۔

(۹) بزمِ اشرف کے چراغ، از پروفیسر احمد سعید، ص:۱۵۶۔

(۱۰) بزمِ اشرف کے چراغ، از پروفیسر احمد سعید، ص:۱۵۶۔

(۱۱) بزمِ اشرف کے چراغ، از پروفیسر احمد سعید، ص:۱۵۷۔

(۱۲) بزمِ اشرف کے چراغ، از پروفیسر احمد سعید، ص:۱۵۷۔

(۱۳) راقم الحروف کی حضرت مولانا عبید اللہ، مہتمم جامعہ اشرفیہ، لاہور سے ملاقات، بتاریخ ۲۰ مارچ ۲۰۱۰ء۔

(۱۴) ایضاً۔

(۱۵) الکلام الحسن، ص: (۱/۱۴) المکتبة الأشرفية، لاہور۔

(۱۶) الکلام الحسن، ص: (۱/۱۵)۔

(۱۷) الکلام الحسن، ص: (۱/۱۸)۔

(۱۸) الکلام الحسن، ص: (۲/۷۹)۔

(۱۹) الکلام الحسن، ص: (۲/۸۰)۔

(۲۰) الکلام الحسن، ص: (۲/۱۳۴)۔

(۲۱) الکلام الحسن، ص: (۲/۱۷۰)۔

(۲۲) الکلام الحسن، ص: (۱/۵۲)۔

(۲۳) الکلام الحسن، ص: (۲/۴۹)۔

(۲۴) الکلام الحسن،ص:(۱/۶۵)۔

(۲۵) الکلام الحسن،ص:(۱/۸۴)۔

(۲۶) الکلام الحسن،ص:(۲/۴۰)۔

(۲۷) الکلام الحسن،ص:(۲/۶۳)۔

(۲۸) الکلام الحسن،ص:(۲/۶۳)۔

(۲۹) الکلام الحسن،ص:(۲/۱۴۲)۔

(۳۰) الکلام الحسن،ص:(۲/۱۴۳)۔